(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کی صداقت

کی

ایک عظیم الشان دلیل

تجدید دین

از

افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تجدید دین

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی نے امیر امان اللہ خاں مرحوم والیٔ افغانستان کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:۔

’’(ایک) دلیل حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی صداقت پر یہ ہے کہ آپ نے (دین حق) کی اندرونی اصلاح بھی اسی رنگ میں کر دی ہے کہ جس رنگ میں اس کی اصلاح مسیح و مہدی کے سپرد تھی۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ہی مسیح موعود ہیں۔

میرے نزدیک سوا ان مولویوں کے جو بحث و مباحثہ کی وجہ سے ضد اور تعصب کا شکار ہو گئے ہیں باقی سب تعلیم یافتہ لوگ اس امر کا اقرار کریں گے کہ آج اسلام وہ اسلام نہیں رہا جو رسول کریم ﷺ کے وقت میں تھا۔ ہر شخص کا دل محسوس کرتا ہے کہ اسلام میں کوئی کمی آ گئی ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ** O (سورہ حجر:۳)

بہت دفعہ کافر بھی چاہتے ہیں کہ کاش وہ مسلمان ہوتے اور ایسی اعلیٰ درجے کی تعلیم پر عمل کرتے اور یا آج یہ زمانہ ہے کہ (دین حق) سب کا محل اعتراض بن رہا ہے۔ غیروں کو تو اس نے کیا تسلّی دینی تھی خود مسلمانوں میں سے تعلیم یافتہ لوگ اس کے بہت سے مسائل پر شک وشبہ رکھتے ہیں، کوئی اس کی اصولی تعلیم پر معترض ہے کوئی اس کی اخلاقی تعلیم پر حرف گیر اور کوئی اس کی عملی تعلیم کی نسبت متردد۔ وہ یقین اور وثوق اب وہ پیدا نہیں کرتا جو آج سے پہلے اپنے ماننے والوں کے دلوں

میں پیدا کیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے (دین حق) کی خاطر لوگ اس قربانی کے لئے بھی تیار نہیں جس کے لئے وہ پہلے تیار ہوا کرتے تھے اب تین باتوں میں سے ایک ضرور ماننی پڑے گی یا تو یہ کہ (دین حق) کی تاثیر کی نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ ایک افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا بزرگوں کی نسبت پچھلوں کی حسن ظنی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام پر آج کل کوئی عمل ہی نہیں کرتا، یا یہ کہ (دین حق) میں ہی تغیر آ گیا ہے اس لئے اب اس پر عمل کچھ مفید نہیں ہوتا اور یہ آخری بات ہی درست ہے کیونکہ پہلے زمانے میں جو اس کا اثر تھا وہ روایتوں سے ہی ثابت نہیں۔ دنیا کے چاروں گوشوں میں (دین حق) کے آثار اس ترقی کے شاہد ہیں جو (دین حق) پر چلنے کے سبب سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی اور یہ بھی نہیں کہ آج کل کوئی (دین حق) پر عمل نہیں کرتا۔ (دین حق) کے جو معنے لوگ سمجھتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ بعض لوگ چلّہ کشی کرتے کرتے اپنی جان دے دیتے ہیں مگر ان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس ایک ہی بات رہ گئی اور وہی اصل باعث ہے کہ (دین حق) کا مفہوم لوگوں کے ذہنوں میں بدل گیا ہے اور رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق لَمْ یَبْقَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ[1] آج (دین حق) کا صرف نام باقی رہ گیا ہے اور زمانہ نبویؐ سے بُعد کی وجہ سے لوگوں نے مغز (دین حق) کو بالکل بدل دیا ہے اور اب موجودہ شکل میں اپنے پیروؤں کے اندر وہ تبدیلی کے پیدا کرنے سے قاصر ہے جو پہلے پیدا کیا کرتا تھا اور موجودہ شکل میں دوسرے ادیان کے پیروؤں کے دلوں پر بھی کچھ اثر نہیں کر سکتا اور گو کبھی کبھی اس کے محو شدہ آثار کسی سعید فطرت کے دل کو صداقت کی طرف مائل کر دیں مگر بطور قاعدہ اب اس کا وہ اثر نہیں جو پہلے ہوا کرتا تھا۔

رسول کریم ﷺ کے کلام سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَارَسُوْلَ

---

[1]: مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی اور کنز العمال جلد ۱۱ حدیث ۳۱۱۳۶ مطبوعہ حلب ۱۹۷۵ء میں لایبقیٰ من الاسلام الا اسمہ کے الفاظ ہیں

اللّٰہِ قَالَ مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ [1]

یعنی ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ،ان میں سے سوا ایک کے باقی سب آگ میں ڈالے جائیں گے لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے جو حق پر ہوں گے آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اس طریق پر ہوں گے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

اسی طرح آپؐ فرماتے ہیں کہ:۔

یٰاَیُّھَا النَّاُس خُذُوْا مِنَ الْعِلْمِ قَبْلَ اَنْ یُّقْبَضَ الْعِلْمُ وَقَبْلَ اَنْ یُّرْفَعَ الْعِلْمُ. قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُرْفَعُ الْعِلْمُ وَھٰذَا الْقُرْآنُ بَیْنَ اَظْھُرِنَافَقَالَ اَیْ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ وَھٰذِہِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی بَیْنَ اَظْھُرِھِمُ الْمَصَاحِفُ لَمْ یُصْبِحُوْایَتَعَلَّقُوْا بِالْحَرْفِ مِمَّا جَآءَتْ بِہٖ اَنْبِیَآؤُھُمْ اَلاَ وَاِنَّ ذَھَابَ الْعِلْمِ اَنْ یَّذْھَبَ حَمَلَتُہٗ ثَلاثَ مِرَارٍ. [2]

یعنی اے لوگو! علم حاصل کرو قبل اس کے کہ علم اٹھا لیا جائے۔دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا؟ حالانکہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔آپ نے فرمایا۔اسی طرح ہوگا۔تیری ماں تجھ پر ماتم کرے۔کیا دیکھتے نہیں کہ یہود و نصارٰی کے پاس کتابیں موجود ہیں،لیکن وہ اس تعلیم کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے جو ان کے انبیاء لائے تھے سنو! علم اس طرح جاتا ہے کہ عالم دنیا سے گزر جاتے ہیں اور آپ نے یہ فقرہ تین دفعہ بیان فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت امت محمدیہ نہایت خطرناک حالت کو اختیار کرنے والی ہے جبکہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا،لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ایک فرقہ ایسا ہوگا جو حق پر ہوگا اور وہ فرقہ ہوگا جو صحابہؓ کے رنگ میں رنگین ہوگا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے

---

[1]:۔ترمذی ابواب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ

[2]:۔کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۶۸ روایت نمبر ۲۸۸۶۹ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء

کہ صحابہؓ کے رنگ میں رنگین صرف مسیح موعود کی جماعت ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس امت کا پہلا حصہ اچھا ہے یا آخری۔ پس مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی سے مراد مسیح موعود کی جماعت ہے اور حق بھی یہی ہے کہ مسیح موعود کی جماعت ہو کیونکہ کوئی جماعت صحابہؓ کی طرح نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کسی مرسل من اللہ کی صحبت یافتہ نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کی مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں سے علم اور دین کے مٹ جانے پر مسیح موعود کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ پھر (دین حق) کو قائم کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔ پس مسیح موعود ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جو مدعی ہو (دین حق) کی اصل تعلیم کو قائم کرنے والا اور قرآن کریم کے صحیح علوم بیان کرنے والا ہو اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو مسیح موعود نہیں ہو سکتا اور جو آخری زمانہ کے پرفتن ایام میں (دین حق) کی تعلیم کو لوگوں کے خیالات سے پاک کرے اور اس کی خوبی کو دنیا پر ظاہر کرے اور مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی کا نظارہ دکھاوے، اس کے سوا کوئی اور شخص مسیح موعود نہیں ہوسکتا اور جبکہ یہ بات ثابت ہوگئی تو مسیحیت کے مدعی کے دعوے کو پرکھنے کے لئے ایک راہ ہمارے لئے یہ بھی کھل گئی، ہم دیکھیں کہ کیا فی الواقع (دین حق) اس وقت سرتا پا اپنی اصل شکل کو چھوڑ چکا ہے دوسرے یہ کہ کیا اس شخص نے فی الواقعہ اس کو اس کی اصل صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

(دین حق) کا بالکل بدل جانا اور اپنی حقیقت سے دور ہو جانا تو ایسا مسئلہ ہے جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کوئی عقلمند بھی اس کا منکر نہ ہوگا اور کوئی منکر بھی کب ہوسکتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کا اصل ثابت کر رہا ہے کہ اس وقت مسلمان مسلمان نہیں رہے اور پھر (دین حق) کی موجودہ شکل جو خود مسلمانوں کو تسلی نہیں دے سکتی وہ آپ اس امر کی گواہ ہے کہ (دین حق) اس وقت بگڑ چکا ہے۔ پس صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا حضرت اقدس مرزا غلام احمدؑ صاحب نے حقیقی (دین حق) کو جو اپنی خوبصورتی اور دل آویزی کے سبب اپنوں اور غیروں سب کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے فی

الواقع دنیا کے سامنے پیش کیا ہے یا نہیں۔اور کیا آپ نے ان مفاسد کو (دین حق) سے دور کیا ہے یا نہیں جو اس کی پاک تعلیم میں اللہ سے دور اور خود غرض ملاؤں نے ملا دیئے تھے۔اس سوال کو حل کرنے کے لئے میں مثال کے طور پر چند موٹی موٹی باتیں جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ (دین حق) کی شکل کو اس وقت لوگوں نے کیسا بدل دیا تھا اور حضرت اقدس نے کس طرح اس کی شکل کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

مذہب کا نقطۂ مرکزی جس کے گرد باقی سب مسائل چکر لگاتے ہیں یا یہ کہ (دین حق) کی وہ جڑ جس کے لئے باقی سب عقائد اور اعمال بمنزلہ شاخوں اور پتّوں کے ہیں۔ایمان باللہ ہے۔تمام عقائد اس کی تائید کے لئے ہیں اور تمام اعمال اس کی تثبیت کے لئے ہیں اور ایمان باللہ کے اجزاء میں سے سب سے بڑا اجزو ایمان بالتوحید ہے۔رسول کریم ﷺ نے جس وقت سے کہ دعویٰ کیا اور اس وقت تک کہ آپؐ فوت ہوئے لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم کا اعلان جاری رکھا ہر ایک قسم کی تکلیف برداشت کی مگر اس تعلیم کا اظہار ترک نہ کیا،حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی آپؐ کو اگر کوئی خیال تھا تو یہی کہ یہ تعلیم جسے اس قدر قربانیوں کے بعد آپ نے قائم کیا تھا دنیا سے مٹ نہ جاوے۔اے بادشاہ! ایک مسلمان کا دل پگھل جاتا ہے اور اس کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے جب وہ احادیث اور تاریخوں میں یہ پڑھتا ہے کہ مرض موت میں جبکہ شدت مرض سے آپؐ کے جسم پر پسینہ آ جاتا تھا اور بیماری آپ کے باریک در باریک اعصاب پر اپنا اثر کر رہی تھی،آپ کا کرب اور آپ کی تکلیف اور بھی بڑھ جاتی تھی جب آپؐ یہ خیال فرماتے تھے کہ کہیں لوگ میرے بعد اس تعلیم کو بھول نہ جائیں اور شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور آپؐ اس وقت کی تکلیف میں بھی اپنے نفس کو بھولے ہوئے تھے اور امت کی فکر سے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کروٹیں بدل بدل کر فرما رہے تھے کہ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ[1] اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت

---

[1] :۔بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبیؐ وابی بکر و عمر رضی اللہ عنہم

کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔جس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ دیکھنا میری عمر بھر کی تعلیم کے خلاف میری وفات کے بعد مجھی کو پوجنے نہ لگ جانا اور توحید الٰہی کی تعلیم کو بھول نہ جانا۔ یہ مرضِ موت میں آپؐ کا کرب اور توحید الٰہی کی محبت ایک ایسا دردناک واقعہ تھا کہ آپ سے محبت رکھنے والا انسان اس واقعہ کے دردناک اثر کے ماتحت شرک کے قریب بھی کبھی نہیں جا سکتا تھا، مگر اے بادشاہ! آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان کہلانے والوں میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا اس تعلیم کے خلاف عمل کررہے ہیں۔ وہ کونسا مسلمان ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ وہم بھی کرسکتا تھا کہ **لا الٰہ الا اللہ** کے علمبردار کسی وقت قبروں پر سجدے کریں گے، اپنے بزرگوں کے مقامات کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھیں گے۔انسانوں کو **عَالِمُ الْغَیْبِ** قرار دیں گے۔ اولیاء اللہ کو خدا تعالیٰ کی قدرت کا مالک سمجھیں گے۔مردوں سے مرادیں مانگیں گے قبروں پر نیازیں چڑھائیں گے۔ اپنے پیروں کی نسبت یہ یقین رکھیں گے کہ جو چاہیں اللہ تعالیٰ سے منوالیں گے اور ان کو حاضر ناظر جانیں گے۔اللہ کے سوا دوسرے لوگوں کے نام پر قربانیاں دیں گے اور پھر اس سبب پر مزید ظلم یہ کریں گے کہ دعویٰ کریں گے کہ یہ سب تعلیم قرآن کریم کی اور رسول کریم ﷺ کی ہے مگر مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جس جس جگہ مسلمان رہتے ہیں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور کثیر حصہ مسلمانوں کا مذکورہ بالا باتوں میں سے کسی نہ کسی بات کا مرتکب ہے رسول کریم ﷺ کے اس سوز وگداز کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے مزار مبارک کو تو ان بدعات سے بچالیا مگر دیگر بزرگان (دین حق) کی قبروں پر آجکل ہندوؤں کے مندروں سے کم مشرکانہ رسوم نہیں ہوتیں۔ یقیناً اگر آج رسول کریم ﷺ تشریف لاکر دیکھتے تو ان لوگوں کو مسلمان خیال نہ فرماتے بلکہ کسی اور مشرکانہ دین کے پیرو خیال کرتے۔

شاید کہا جائے کہ یہ خیالات تو جاہل لوگوں کے ہیں، علماء ان خیالات سے بیزار ہیں مگر حق یہ ہے کہ کسی قوم کی حالت اس کے اکثر افراد سے دیکھی جاتی ہے۔جب مسلمانوں میں سے اکثر ان

خیالات کے پیرو ہیں تو یہی فیصلہ کرنا ہوگا کہ مسلمانوں کی حالت بلحاظ توحید کے گرگئی ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ کے اصل کو جو (دین حق) کی جان تھا بھلا بیٹھے ہیں مگر یہ بھی درست نہیں کہ عوام الناس ہی ان عقائد کے قائل ہیں ان عوام الناس کے پیر اور مولوی بھی ان کے خیالات سے متفق ہیں اور اگر بعض ان میں سے دل سے متفق نہیں تو کم سے کم ان کی حالت بھی اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ وہ ظاہر میں عوام الناس کے خیالات کا رد نہیں کر سکتے اور یہ بات بھی اس بات کی علامت ہے کہ ایمان مٹ گیا ہے۔

بعض فرقے مسلمانوں میں سے ایسے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شرک سے بکلّی مجتنب ہیں بلکہ وہ دوسرے لوگوں پر ناراض ہوتے ہیں کہ انہوں نے شرک کر کے (دین حق) کو صدمہ پہنچایا ہے، مگر تعجب ہے کہ یہ لوگ خود بھی شرک میں مبتلا ہیں اور دوسروں سے ان کو صرف اس قدر امتیاز حاصل ہے کہ یہ ہر ایک شخص کو اللہ کا شریک نہیں بناتے۔ صرف مسیح علیہ السلام کو اللہ کا شریک سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا یقین کرتے ہیں، ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ جو افضل الانبیاء تھے زمین میں مدفون ہیں، لیکن حضرت مسیح نعوذ باللہ من ذٰلک دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو موت ہی نہیں دیتا۔ قرآن کریم میں صاف پڑھتے ہیں کہ جن بزرگوں کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل:۲۲) پھر دیکھتے ہیں کہ مسیحی مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہوئے ہیں مگر یہ حضرت مسیحؑ کی زندگی کا خیال نہیں چھوڑتے اور اپنے آپ کو موحّد کہتے ہوئے جھجکتے نہیں۔

اسی طرح یہ لوگ شرک کے خلاف تو آواز بلند کرتے ہیں مگر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خود بھی اس دنیا میں مردوں کو زندہ کر کے نہیں بھیجتا، جیسا کہ فرماتا ہے:۔ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (سورة الانبیاء:۹٦) جو لوگ فوت ہو چکے ان کے لئے ہم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ واپس نہیں لوٹ سکیں

گے۔اسی طرح فرماتا ہے:۔ وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المومنون:۱۰۱) یعنی جو لوگ مر چکے ہیں ان کے پیچھے ایک روک ڈال دی گئی ہے جو قیامت کے دن تک جاری رہے گی اس سے پہلے یہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

یہ لوگ اہلحدیث کہلاتے ہیں،لیکن اس حدیث کو بھول جاتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حضرت جابرؓ کے والد عبداللہؓ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مانگو جو کچھ مانگنا ہے۔اس پر انہوں نے کہا کہ میری تو یہی خواہش ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کروں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہوں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں نے اپنی ذات کی قسم نہ کھائی ہوتی تو میں تجھے زندہ کر دیتا۔مگر چونکہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔اس لئے ایسا نہیں کروں گا۔[1]

یہ لوگ نہیں سوچتے کہ جس کام کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ بھی نہیں کرتا اور جو اس کی صفات مخصوصہ میں سے ہے۔اسے مسیح علیہ السلام کس طرح کر سکتے تھے۔اُحْیِ الْمَوْتٰی (آل عمران:۵۰) کے الفاظ قرآن سے دھوکا کھاتے ہیں،لیکن جب رسول کریم ﷺ کی نسبت یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (انفال:۲۵) اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کر لیا کرو جب ان میں سے کوئی تم کو بلائے تا کہ تم کو زندہ کرے تو اس وقت اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ زندگی سے مراد روحانی زندگی ہے۔جب احیاء کے معنے روحانی زندگی دینے کے بھی ہوتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مردے زندہ نہیں کر سکتا اور جبکہ اس دنیا میں مردے زندہ کر کے اللہ بھی نہیں بھیجتا۔تو پھر کیوں احیاء کے وہ معنی نہیں لیتے۔جو کلام الٰہی کے مطابق ہوں اور جن سے شرک نہ پیدا ہوتا ہو۔

اسی طرح یہ موحد کہلانے والے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح پرندے پیدا کیا کرتے

---

[1]:۔ترمذی ابواب التفسیر۔تفسیر آل عمران زیر آیت وما کان لنبی ان یغل۔۔۔۔

تھے حالانکہ قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَایَخْلُقُوْنَ شَیْئاً وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ (سورہ النحل:۲۱) جن آدمیوں کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَالْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (سورہ الرعد:۱۷) کیا وہ اللہ کے سوا شریک مقرر کرتے ہیں جن کی صفت یہ ہے کہ انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے اور اب ان لوگوں کی نظروں میں اللہ تعالیٰ کی اور ان کی مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے کہہ دے کہ اللہ ہی سب چیزوں کا خالق ہے اور وہ ایک ہے ہر چیز اس کے تصرف میں ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ۔ (الحج:۷۴) وہ لوگ کہ تم ان کو اللہ کے سوا پکارتے ہو ہرگز پیدا نہیں کرسکتے ایک مکھی بھی۔ گو سب کے سب جمع ہو جائیں اور مسیح علیہ السلام بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

غرض باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں یہ بات صریح طور پر موجود ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی کچھ نہیں پیدا کرسکتا اور اگر کوئی ایسا کرے تو وہ سچا معبود ہے۔ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ[1] کے وہ معنے کرتے ہیں جو قرآن کریم کی محکم تعلیم کے خلاف ہیں اور نہیں سوچتے کہ ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پس وہ معنے کریں جو قرآن کریم کی دوسری آیات کے اور ایک بندے کی شان کے مطابق ہوں، نہ کہ وہ معنے کریں جو محکمات کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہوں اور موحد کہلاتے ہوئے شرک میں مبتلا ہوں۔

یہ وہ خطرناک عقائد ہیں جو اس وقت مسلمانوں میں خواہ عالم ہو، یا جاہل اور خواہ مقلّد ہوں یا غیر مقلّد، سنی ہوں یا شیعہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا

---

[1]:۔ ال عمران:۵۰

کہ مسلمان لا الٰہ الا اللہ کے مضمون پر قائم ہیں۔ بیشک اس وقت بھی لا الٰہ الا اللہ مسلمانوں کے منہ پر جاری ہے، لیکن مذکورہ بالا عقائد کی وجہ سے وہ اس مفہوم سے اسی قدر دور جا پڑے ہیں جس قدر کہ اور مشرک اقوام۔ اس تمام گمراہی اور ضلالت کے متعلق حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ السلام نے آ کر جو تعلیم دی وہ ایسی موحدانہ اور اللہ تعالیٰ کا جلال قائم کرنے والی ہے کہ اس کو مان کر انسان کا دل محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے اور شرک کی آگ سے انسان بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور توحید کے اس مقام کو پا لیتا ہے۔ جس پر صحابہ کرام کھڑے تھے۔ آپ نے ان سب مذکورہ بالا خیالات کو بدلائل غلط ثابت کیا اور بتایا کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کسی مردے سے مرادیں مانگنی یا قبروں پر نیازیں چڑھانی یا کسی کو سجدہ کرنا خواہ زندہ ہو یا مردہ یا کسی کو اللہ کی قدرت کا مالک جاننا یا عالم الغیب سمجھنا خواہ نبی ہو یا غیر نبی، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا یا کوئی اور چیز اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صدقہ کرنی یا کسی کی نسبت یہ یقین کرنا کہ وہ جو کچھ چاہے اللہ تعالیٰ سے منوا لے شرک ہے اس سے مومن کو پرہیز کرنا چاہئیے۔

اسی طرح آپ نے یہ ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو چکے ہیں اور زیر زمین مدفون ہیں۔ وہ روحانی مردوں کو زندہ کرتے تھے اور جس طرح انسان پیدا کر سکتا ہے پیدا کرتے تھے۔ بے جان کو جان دینے کی یا مردے کو زندہ کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی۔ نہ بلا اذن اللہ اور نہ باذن اللہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات مخصوصہ کسی بندہ کو نہیں دیا کرتا اور اس کا کلام ان صفات کے مسیحؑ یا اور کسی آدمی میں پائے جانے کے صریح خلاف ہے اور جس قدر لوگ شرک پھیلاتے ہیں۔ وہ اسی قسم کی باتیں بنایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقتیں فلاں شخص کو دے دی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ اس کا پیش کردہ معبود خدا تعالیٰ سے آزاد ہو کر دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اس مطابق قرآن اور مطابق عقل تعلیم سے آپ نے شرک کی ظلمت کو دور کیا اور مسلمانوں کو وہ سیدھا راستہ دکھایا جس کو ایک عرصہ سے چھوڑ چکے تھے۔ اور اس طرح وہ کام سرانجام دیا جو مسیحؑ کی آمد ثانی کے لئے مقرر تھا۔

ایمان باللہ کے بعد (دین حق) کا دوسرا رکن ایمان بالملائکہ ہے اس رکن کو بھی مسلمانوں نے بالکل مسخ کر دیا تھا۔بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ملائکہ نعوذ باللہ گناہ بھی کر لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ پر بھی معترض ہو جاتے ہیں، آدمؑ کے واقعہ میں ملائکہ کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی حکمتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔حالانکہ وہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔[1] کہہ کر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال پر نکتہ چینی کر ہی نہیں سکتے ۔ہاروت اور ماروت کا قصہ ایسا دلخراش قصہ ہے کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ دو فرشتے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آدمیوں کے بھیس میں بھیجے اور وہ ایک فاحشہ عورت پر عاشق ہو گئے اور آخر سزا کے طور پر ایک کنوئیں میں اوندھے منہ لٹکائے گئے ۔نعوذ باللہ من ذلک۔اس طرح کہا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک ابلیس ملائکہ کا استاد تھا۔

بعض لوگ ملائکہ کی نسبت یہ عقیدہ رکھنے لگے ہیں کہ گویا وہ بھی مادی وجود ہیں آدمیوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ۔عزرائیل کبھی اس کی جان نکالنے جاتے ہیں اور کبھی اُس کی ۔اس کے برخلاف بعض لوگ ملائکہ کے وجود ہی کے منکر ہو گئے ہیں اور ملائکہ کو ایک وہمی وجود قرار دیتے ہیں اور قرآن کریم کی آیات کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ قوتوں اور طاقتوں کا نام ملائکہ رکھا گیا اور یہاں تک دلیر ہو گئے ہیں کہ علی الاعلان قرآن کریم اور احادیث کی تعلیم کے خلاف کہتے ہیں کہ ''زجبریل امین قرآں بہ پیغامے نمی خواہم'' بلکہ ملائکہ کے وجود پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ نے ان خلاف (دین حق) اعتقادات کو بھی رد کیا ہے اور صحیح اعتقاد کو پھیلایا ہے اور ملائکہ کی ذات سے اعتراضات کو دور کیا ہے۔آپؑ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ملائکۃ اللہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں کیا کرتے اور نہ وہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ان کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

[1] :۔البقرہ:۳۱

لَا یَعْصَوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (سورۃ التحریم:۷) ملائکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جن باتوں کا ان کو حکم دیا جاتا ہے انہیں وہ بجالاتے ہیں۔ پس ایسی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی ان طاقتوں کے ساتھ کیا ہے جو اطاعت اور فرمانبرداری کی طاقتیں ہیں کس طرح بدی میں مبتلا ہوسکتی ہے اور فاحشہ عورتوں کے عشق میں مبتلا ہوسکتی ہے اور اللہ کو بھلا کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہوسکتی ہے۔ اگر ملائکہ گناہ میں مبتلا ہوسکتے ہیں تو ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان لانے کے تو معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ جس پر ایمان لایا جائے اس کی باتوں کو مانا جائے۔ جو لوگ نافرمانی کرسکتے ہیں ان پر ایمان لانے کا حکم دینا گویا خود ہلاک ہونے کا حکم دینا ہے۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ ملائکہ روحانی وجود ہیں وہ اِدھر اُدھر دوڑے دوڑے نہیں پھرتے بلکہ جس طرح سورج اپنی جگہ سے روشنی دیتا ہے وہ بھی اپنے مقام سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالاتے ہیں اور ان طاقتوں کی مدد سے جو ان کی اطاعت میں لگائی گئی ہیں سب کام کرتے ہیں۔

اور آپؑ نے اس خیال کو بھی رد کیا ہے کہ ابلیس ملائکہ کا استاد یا یہ کہ ملائکہ کے ساتھ رہنے والا وجود تھا وہ تو ایک خبیث روح تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (البقرہ:۳۵) اس کا دل پہلے ہی اللہ تعالیٰ کا منکر تھا۔

آپؑ نے اس خیال کی غلطی کو بھی دور کیا کہ ملائکہ وہمی وجود ہیں یا طاقتوں کو کہتے ہیں۔ آپؑ نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ملائکہ کا وجود ثابت کیا اور ان لوگوں کی جہالت کو ظاہر کیا جو اس بات کو تو مانتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو پیدا کیا اور آواز پہچاننے کے لئے ہوا کو بنایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے پر حرف نہیں آیا۔ لیکن کہتے ہیں کہ روحانی امور کے سرانجام دینے کے لئے اس نے اگر کوئی وسائط پیدا کئے ہیں تو اس سے اس کی قدرت پر حرف آتا ہے اور خود ان کے عقیدے سے ان کو ملزم قرار دیا اور ان کے اقرار سے ان کو پکڑا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا

وسائط کو پیدا کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اپنے احکام کو بندے تک پہنچا نہیں سکتا، بلکہ اس لئے ہے کہ بندہ اللہ کا کلام سننے کے لئے وسائط کا محتاج ہے اور اس لئے کہ یہ وسائط بندے کی ترقیات میں مد اور معاون ہوتے ہیں، غرض آپ نے ایمان کے دوسرے رکن کے متعلق جو خرابیاں مسلمانوں میں پیدا ہوگئی تھیں ان کو خوب اچھی طرح دور کیا اور ملائکہ کے وجود کو اس صورت میں ظاہر کیا جس صورت میں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو پیش کیا تھا۔

تیسرا رکن ایمان کا کتب سماویہ ہیں ان کی نسبت بھی مسلمانوں کے ایمان بالکل متزلزل ہو چکے تھے اور عجیب در عجیب خیالات مسلمانوں میں کتب سماویہ خصوصاً قرآن کریم کے متعلق پیدا ہو گئے تھے۔ اور در حقیقت اسلام میں بلحاظ ایمان کے قرآن کریم ہی اصل ہے کیونکہ دوسری کتب پر ایمان لانا تو صرف اصولی طور پر ہے۔ ورنہ وہ نہ موجود ہیں اور نہ ان پر ان کی موجودہ شکل میں عمل کرنے کا حکم ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کے جو عقائد ہیں ان کو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوتی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ حیرت مجھے صرف اس سبب سے ہے کہ میں نے مسیح موعود پر ایمان لا کر اس سے اصل حقیقت کو معلوم کر لیا ہے ورنہ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح قرآن کریم کے متعلق کسی نہ کسی غلطی کا مرتکب ہوتا۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول کریم ﷺ کے بعد معاً ہی عملاً دنیا سے اٹھایا گیا اور اس کا ایک بیشتر حصہ **نعوذ باللہ من ذلک** دنیا سے مفقود ہو گیا ہے بعض کے نزدیک جو موجودہ قرآن ہے اس میں بھی انسانی تصرفات کا اثر موجود ہے۔ بعض لوگ اس قسم کے خیالات کو تو سختی سے رد کرتے ہیں اور ان کو کفر قرار دیتے ہیں، لیکن خود اس قسم کے اور خطرناک عقائد پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ منسوخ شدہ ہے اور منسوخ قرار دینے کا ذریعہ انہوں نے یہ قرار دیا ہے کہ جو آیت دوسری آیت کے خلاف معلوم ہو وہ منسوخ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بعض اور آیتوں میں اختلاف نظر آیا ہے اور کسی کو بعض اور میں۔ اس نے ان کو منسوخ قرار

دے دیا اور اُس نے ان کو اور قرآن کریم کا ایک معتد بہ حصہ منسوخ قرار پا کر قابلِ عمل نہیں رہا۔نعوذ باللہ من ذلک۔

اس طریق سے یہی نقصان نہیں ہوا کہ قرآن کریم کے بعض حصے منسوخ قرار پا گئے بلکہ ایک خطرناک اثر اس کا یہ ہوا کہ طبائع میں یہ خلجان پیدا ہو گیا ہے کہ جبکہ اس کے اندر بعض حصے منسوخ ہیں بعض غیر منسوخ۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے یہ نہیں بتایا کہ کونسا حصہ منسوخ ہے اور کونسا حصہ منسوخ نہیں تو اس کتاب کا اعتبار ہی کیا رہا۔ہر شخص کو جو حصہ پسند آیا۔اس نے اسے اصل قرار دے دیا۔اور دوسرے کو منسوخ قرار دے دیا۔

دوسرا خطرناک عقیدہ کتبِ الٰہیہ کے متعلق اور خصوصاً قرآن کریم کے متعلق یہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ کلام بھی شیطان کی دست برد سے پاک نہیں اور کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان الہام الٰہی میں دخل دیتا ہے اور آیت **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ** (الحج:۵۳) سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ہر نبی کے کلام کو سنتے وقت شیطان نے دخل دیا ہے اور ایسے حصے اس میں ملا دئے ہیں جو شیطان کی طرف سے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھے اور عام قاعدے کے بیان کرنے پر ہی کفایت نہیں کی گئی بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ سورۂ نجم پڑھ رہے تھے جب ان آیات پر پہنچے کہ **اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى**[1] تو آپ کی زبان پر شیطان نے نعوذ بالله من ذلك یہ کلمات جاری کردئے **تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى**[2] یعنی یہ بت جو بمنزلہ خوبصورت لمبی گردنوں والی حسین عورتوں کے ہیں۔ان سے شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔جب یہ الفاظ آپ کی زبان سے کفار نے سنے،تو انہوں نے بھی سجدہ کر دیا۔بعد میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شیطان

---

[1] :۔النجم ۲۰،۲۱

[2] :۔بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر۔تفسیر سورۃ النجم باب قولہ فاسجدوا للہ واعبدوا۔حاشیہ ص ۷۲۱ اصح المطابع دہلی۔

نے آپؐ کی زبان پر جاری کردئے تھے تو آپؐ کو بہت افسوس ہوا۔(**نعوذ باللہ من ذلک**)

بعض لوگوں نے اس کہانی کو اگر حد سے زیادہ خلاف واقعہ اور نا قابل برداشت سمجھا ہے تو یہ کہہ دیا کہ رسول کریم ﷺ کی زبان پر شیطان نے یہ فقرات جاری نہیں کئے تھے بلکہ آپ کی سی آواز بنا کر اس طرح یہ کلمات کہہ دئے تھے کہ یہی سمجھ میں آتا تھا کہ گویا آپؐ نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔اس بات کو صحیح سمجھنے سے قرآن کریم کے متعلق جو بے اعتباری پیدا ہوتی ہے اس کو یوں دور کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** ۔(سورۃ الحج:۵۳)یعنی پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی ملاوٹ کو تو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو قائم کر دیتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔مگر اس جواب سے کسی کو تسلی کب ہو سکتی ہے کیونکہ اگر شیطان بھی نعوذ باللہ کلام الٰہی میں دست اندازی کر سکتا ہے تو پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ آیت بھی شیطانی نہیں ہے اور شیطان نے اپنی ملاوٹ کی طرف سے رسول کریم ﷺ کو مطمئن کرنے کے لئے یہ نہیں کہہ دیا ہے کہ شیطان کی طرف سے جو کلام ہو وہ مٹا دیا جاتا ہے تا کہ جو نہ مٹا دیا جائے اس کو اللہ کا کلام سمجھ لیا جائے۔

بعض لوگوں نے قرآن کریم کو ایسا بے وقعت کر دیا ہے کہ اس کے صریح اور صاف احکام کو ضعیف بلکہ موضوع احادیث کے تابع کر دیا ہے اور اتباع سنت کے نام سے اللہ ذوالجلال کے کلام کو بعض خود غرض اور اخلاق ذمیمہ رکھنے والے انسانوں کے خیالات کے تابع کر دیا جائے۔قرآن کریم خواہ چلّا چلّا کسی کو رد کرے، لیکن اگر ضعیف سے ضعیف حدیث میں بھی اس کا ذکر ہو تو وہ اس کو وحی الٰہی پر مقدم کر لیں گے اور اگر قرآن کریم کسی بات کو بیان کرتا ہو، لیکن حدیث میں اس کا ردّ ہو تو وہ قرآن کو پسِ پشت ڈال دیں گے اور حدیث کے بیان کو صحیح سمجھ لیں گے۔

بعض لوگوں نے کلام الٰہی سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ اسے رسول کریم ﷺ کا خیال قرار دیتے ہیں اور اس کے اللہ کا کلام ہونے سے انکاری ہیں وہ منہ سے تو یہی کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام

ہے مگر ساتھ ہی اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ کے صاف دل میں جو خیال پیدا ہوتے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید سے ہوتے تھے اس لئے وہ اللہ کا ہی کلام کہلانا چاہئیے ورنہ الفاظ (نعوذ باللہ من ذلک) رسول کریم ﷺ کے تیار کردہ ہیں، کیونکہ (ان کے نزدیک) اللہ کا کلام الفاظ میں جو اپنے ادا ہونے کے لئے ہونٹ اور زبان چاہتے ہیں نہیں نازل ہوسکتا۔

بعض نے اللہ کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا جا سکتا گویا عوام الناس تک اس کے پہنچانے کا جو ذریعہ تھا اس کو بند کر کے مسلمانوں کو اللہ کے کلام کا مفہوم سمجھنے سے روک دیا ہے اور اس طرح بے دینی کی اشاعت کے ذمہ دار ہو گئے ہیں۔

بعض نے اللہ کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے اس میں اشارۃً بعض ضروری باتیں تو بتا دی گئیں ہیں، لیکن کوئی مسئلہ اس سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

بعض نے اللہ تعالیٰ کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم تمام کا تمام تقدیم اور تاخیر سے بھرا پڑا ہے۔ جب تک اس کو مدنظر نہ رکھیں اس کی بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

بعض نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ تمام دنیا کے قصے اور کہانیاں جن کو عقل سلیم رد کرتی ہے اور فطرت ان سے نفرت کرتی ہے اکٹھی کر کے قرآن کریم کی طرف منسوب کر دی ہیں اور مضمون ملے یا نہ ملے، بلکہ خواہ الفاظِ قرآن کریم ان کے خلاف ہوں وہ اسرائیلی قصوں کے ماتحت اس کے مضمون کو لے آتے ہیں اور ان قصوں کو اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر بتاتے ہیں اور ان کو پہلے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی طرف منسوب کرنے سے نہیں جھجکتے۔

بعض نے اللہ کے کلام کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ اس کے ربط اور اس کی ترتیب کے بھی منکر ہو گئے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک جس طرح کوئی شخص بے ہوشی میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بلا کسی ترتیب کے مختلف واقعات کو بیان کر دیا گیا ہے۔ کوئی خاص ترتیب اور مضمون مدنظر نہیں۔

بعض نے بلکہ اس وقت کے کل مسلمانوں نے کلام الٰہی کے متعلق ایک اور ظلم کیا ہے کہ کہہ دیا ہے کہ پہلے اللہ کا کلام دنیا پر نازل ہوتا تھا،لیکن اب نہیں ہوتا،گویا اب اللہ تعالیٰ کی ایک صفت معطل ہوگئی ہے وہ دیکھتا ہے سنتا ہے،لیکن بولتا نہیں۔نعوذباللہ من ذلک۔

غرض ہر شخص سے جس قدر ہوسکا اس نے کلام پاک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی خوبصورتی کو لوگوں کی نظروں سے چھپانا چاہا ہے اور ان سب کوششوں کا نام خدمتِ قرآن رکھا ہے حالانکہ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دنیا قرآن کریم سے متنفر ہوگئی ہے اور اس کا اثر دلوں سے اٹھ گیا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے اے بادشاہ!ان تمام عیوب کو آکر دور کیا اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری ہدایت نامہ ہے وہ نسخ سے محفوظ ہے اس کے اندر جو کچھ موجود ہے مسلمانوں کے لئے قابل عمل ہے اور اس کا کوئی حصہ نہیں جو دوسرے حصے کے مخالف ہو اور قابلِ نسخ سمجھا جائے جو اس میں اختلاف دیکھتا ہے وہ خود جاہل اور اپنی کم علمی کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرتا ہے اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اسی طرح ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا۔اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے اندر کوئی تبدیلی کی ہی نہیں جاسکتی۔نہ اس کے بعض مضامین کو بدل کر اور نہ اس کے اندر کوئی نئی عبارت بڑھا کر اور نہ اس کا کوئی حصہ کم کر کے،اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے اور اس نے اس کی حفاظت کے ایسے سامان کر دیئے ہیں۔کچھ روحانی اور کچھ جسمانی کہ انسانی دست برد اس پر اثر کر ہی نہیں سکتی۔پس اس میں کوئی نسخ ماننا بھی غلط ہے اور اس میں کوئی تغیر تسلیم کرنا بھی خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ ہے اتہام ہے وہ محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔

یہ کہنا کہ اس کا کوئی حصہ دنیا سے اٹھایا گیا ہے اللہ تعالیٰ پر الزام لگانا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کامل کتاب جو اس نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجی تھی وہ ایک دن بھی اس کام کو نہ کرسکی

جس کے لئے وہ نازل کی گئی تھی اوراس کے اندر تغیر تسلیم کرنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے بے اعتبار ہوگئی،لیکن اگر ایسا ہوتا تو یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی نبی اور کوئی نئی شریعت دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجی جاتی تا دنیا بلا شریعت کے نہ رہ جاتی۔

اسی طرح آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم بلکہ ہر ایک اللہ کا کلام شیطانی تصرف سے پاک ہے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے کلام میں کچھ دخل دے سکے،خواہ نبی کی زبان پر تصرف کر کے خواہ نبی کی آواز بنا کر اپنی زبان کے ذریعہ سے اور آپ نے اپنے تجربے سے بتایا کہ جب مجھ پر جو ایک غلام ہوں نازل ہونے والا کلام ہر ایک شک وشبہ سے پاک ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ رسول کریم ﷺ پر جو میرے آقا ہیں نازل ہونے والا کلام اور وہ بھی قرآن کریم جو ہمیشہ کے لئے ہدایت بننے والا تھا شیطانی اثر کو قبول کر لے خواہ ایک آن کے لئے ہی سہی۔

آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ قرآن کریم یقینی کلام ہے اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس وعدہ کا ایفاء اس رنگ میں اس نے کیا ہے کہ دشمن بھی اس کی حفاظت کے قائل ہیں۔ پس اس کے مقابلے میں حدیث کو رکھنا اس کی گستاخی کرنا اور اس کو جان بوجھ کر رد کرنا جو حدیث قرآن کریم کے مخالف پڑتی ہے۔وہ ہرگز حدیثِ نبویؐ نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ کا رسول اللہ کے کلام کے مخالف نہیں کہہ سکتا اور احادیث کی تدوین ایسی محفوظ نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم محفوظ ہے۔پس قرآن کریم کو زبردستی حدیث کے ماتحت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حدیث کو قرآن کریم کے ماتحت کرنا چاہیئے اگر دونوں مطابق نہ ہوسکیں تو حدیث کو جو ممکن ہے کہ کسی انسان کی دانستہ یا نادانستہ دست برد سے خراب ہو چکی ہو چھوڑ دینا چاہیئے۔

اور آپ نے ان لوگوں کے جواب میں جو یہ کہتے ہیں کہ پورا دین تو ہمیں حدیث سے معلوم ہوا ہے بتایا کہ حدیث اور قرآن کریم کے علاوہ ایک تیسری چیز سنت ہے یعنی وہ کام جو رسول کریم ﷺ نے کر کے دکھائے اور جو بلا واسطہ صحابہؓ نے آپ کو کرتے ہوئے دیکھ کر آپ سے سیکھے اور ان

کے مطابق عمل کیا، کسی زبانی حدیث کی ان کے لئے ہمیں ضرورت نہیں، ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھا اوران سے اگلوں نے سیکھا۔ یہ سنت کبھی قرآن کریم کے مخالف نہیں ہوتی، ہاں حدیث جو زبانی روایت ہے وہ کبھی قرآن کے مخالف بھی ہو جاتی ہے اوراس میں شبہ کی گنجائش ہوتی ہے جب وہ قرآن کریم کے مخالف ہوتو وہ قابل رد ہے اور جب اس کے مطابق ہو قابل قبول، کیونکہ تاریخی شہادت ہے اور تاریخی شہادت کو بلا وجہ رد نہیں کیا جا سکتا ہے ورنہ بہت سی صداقتیں دنیا سے مفقود ہو جائیں۔

آپ نے اس خیال کی لغویت کو بھی ظاہر کیا کہ قرآن کریم رسول کریم ﷺ کے الفاظ ہیں اور بتایا کہ قرآن کریم کا لفظ لفظ اللہ کا کلام، رسول کریم ﷺ تو صرف وحی کے سنانے والے تھے نہ کہ اس کے بنانے والے۔ یہ وسوسہ درست نہیں کہ کلام ہونٹ اور زبان چاہتا ہے اور اللہ کے ہونٹ اور زبان نہیں کیونکہ یہ قیاس مَعَ الْفَارِق ہے۔ اللہ تعالیٰ تو لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے اس پر انسانی طاقتوں کا اندازہ کر کے فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کلام بغیر ہونٹ کے نہیں ہوسکتا تو اسی طرح کوئی چیز بغیر ہاتھوں کے نہیں بنائی جا سکتی، بلکہ مادی ہاتھوں کے نہیں بنائی جا سکتی تو کیا اللہ خالق بھی نہیں ہے پس جس طرح اللہ تعالیٰ بلا مادی ہاتھوں کے اس تمام کائنات کو پیدا کرسکتا ہے اسی طرح بغیر مادی ہونٹ اور زبان ہونے کے وہ اپنی مرضی کو اپنے بندے پر الفاظ میں ظاہر کرسکتا ہے اور آپ نے اپنے تجربے کو پیش کیا اور بتایا کہ یہ وہم صرف اس کوچے سے ناواقفی کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ خود مجھ سے الفاظ میں کلام کرتا ہے پس جبکہ وہ مجھ سے الفاظ میں کلام کرتا ہے تو رسول کریم ﷺ سے جو سب بنی آدم کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب تھے کیا وہ الفاظ میں کلام نہ کرتا ہوگا ،اس سے زیادہ جاہل اور کون ہوگا جو جاہل ہوکر اس بحث میں دخل دے جو اس کے علم سے بالا ہو اور نادان ہوکر اللہ کے رازوں کو اپنی عقل سے دریافت کرنے کی کوشش کرے۔

آپؓ نے اس خیال کو بھی رد کیا کہ اللہ کے کلام کا ترجمہ نہیں ہوسکتا اور بتایا کہ جب تک

لوگوں کو قرآن کریم کا مفہوم نہ پہنچایا جائے وہ اس کی خوبیوں سے کس طرح واقف ہوں گے؟ بیشک خالی ترجمہ کی اشاعت ایک جرم ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو متن سے بُعد ہوتا جائے گا اور ممکن ہے کہ ترجمہ در ترجمہ سے وہ ایک وقت اصل حقیقت کو چھوڑ دیں ،لیکن ان لوگوں کے لئے جو عربی زبان نہیں جانتے قرآن کریم کا ترجمہ اگر متن کے ساتھ ہو تو نہایت ضروری شے ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں عربی زبان کو اسقدر رواج دیا جائے کہ لوگ قرآن کریم کو اس کی اصل زبان میں پڑھ کر وہ برکات حاصل کر سکیں جو کہ ترجمہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور کم سے کم ہر شخص کو اس قدر حصہ قرآن کریم کا ضرور سکھا دیا جائے جو نماز میں اس کو پڑھنا پڑتا ہے۔

آپؑ نے اس خیال کو بھی کہ قرآن کریم ایک مجمل کتاب ہے اس میں اشارۃً بعض باتیں بیان کی گئی ہیں ۔نہایت واضح دلائل سے رد کر کے بتایا کہ قرآن کریم جیسی جامع و مانع کتاب تو دنیا بھر میں نہیں مل سکتی یہ تم لوگوں کا اپنا قصور تھا کہ اس پر غور کرنا تم نے چھوڑ دیا اور اس طہارت کو حاصل نہ کیا جس کے بغیر اس کے مطالب کا القاء انسان کے قلب پر نہیں ہوتا کیونکہ لَایَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ:۸۰) کا ارشاد ہے۔پس اپنی کوتاہ فہمی کو قرآن کریم کی طرف منسوب نہ کرو اور پھر آپ نے تمام مسائل دینیہ کو قرآن کریم سے ہی استنباط کر کے پیش کیا اور دشمنان (دین حق) کے ہر اعتراض کو قرآن کریم سے ہی رد کر کے دکھا دیا اور ثابت کر دیا کہ علوم روحانیہ اور دینیہ اور اخلاقیہ کے متعلق قرآن کریم سے زیادہ واضح اور مفصل کتاب اور کوئی نہیں، اس کے الفاظ مختصر ہیں ،لیکن مطالب ایک بحرِ ذخّار کی طرح ہیں کہ ایک ایک جملہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں مطالب رکھتا ہے اور اس کے مضامین ہر زمانے کے سوالات اور شکوک کو حل کرتے ہیں اور ہر زمانے کی ضروریات کو وہ پورا کرتا ہے۔

آپؑ نے اس خیال کو بھی رد کیا کہ قرآن کریم تقدیم وتاخیر سے بھرا پڑا ہے اور بتایا کہ قرآن کریم کے الفاظ اپنی اپنی جگہ پر ایسے واقع ہیں کہ ان کو ہرگز ان کی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا ،لوگ اپنی نادانی سے اس میں تقدیم وتاخیر سمجھ لیتے ہیں ورنہ اس میں جو کچھ جس جگہ رکھا گیا ہے

وہی وہاں درست بیٹھتا ہے اوراسی جگہ پر اس کے رکھنے سے وہ خوبی پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے اور آپ نے قرآن کریم کے مختلف مقامات کی تشریح کر کے اس مضمون کی صحت کو ثابت کیا اور ان لوگوں کے وسوسہ کو رد کیا جو اپنی کم علمی کی وجہ سے تقدیم و تاخیر کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔

آپ نے اس بات پر بھی جرح کی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اسرائیلی قصوں کو بھر دیا گیا ہے۔ اور بتایا کہ محض بعض واقعات میں مشابہت کا پیدا ہو جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ درحقیقت یہ دونوں باتیں ایک ہیں، قرآن کریم اگر بعض واقعات کو مختلف الفاظ میں بیان کرتا ہے تو اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ ان واقعات کو اس صورت میں قبول نہیں کرتا جس صورت میں افسانہ گو ان کو بیان کرتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ درحقیقت قرآن کریم افسانے کی کتاب ہے ہی نہیں وہ جو واقعات پچھلے بھی بیان کرتا ہے وہ آگے کی پیشگوئیاں ہوتی ہیں اور ان کے بیان کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اسی طرح کا معاملہ آئندہ رسول کریم ﷺ یا آپؐ کی امت کے بعض افراد سے ہونے والا ہے۔ پس اس کی تفسیر میں یہودیوں کے قصوں اور افسانوں کو بیان کرنا اس کے مطلب کو گم کر دینا ہے۔ قرآن کریم پہلی کتب پر بطور شاہد کے آیا ہے نہ کہ پہلی کتب اس پر بطور شاہد کے ہیں کہ اس کے بتائے ہوئے مضمون کے خلاف ہم ان کتب سے شہادت طلب کریں، ہمیں چاہئیے کہ خود قرآن کریم سے اس کی تفسیر کریں اور اس کے مطلب کو باہر سے تلاش کرنے کی بجائے اس کے اندر ڈھونڈیں۔

آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ قرآن کریم ایک مرتب اور باربط کتاب ہے اس کے مضامین یونہی بکھرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ شروع **بسم اللہ** سے لے کر **والناس** تک اس کی آیات اور اس کی سورتوں میں ایک ترتیب ہے جو ایسی اعلیٰ اور طبعی ہے کہ جس شخص کو اس پر اطلاع دی جاتی ہے وہ اس کے اثر سے وجد میں آ جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کسی انسانی کتاب کی

ترتیب میں لطف حاصل نہیں کرسکتا جن لوگوں نے قرآن کریم کے مضامین کو بے ترتیب قرار دیا ہے یا مختلف واقعات ومضامین کا مجموعہ سمجھا ہے انہوں نے درحقیقت اس بے نظیر کتاب کے معارف سے کوئی حصہ نہیں پایا۔اور اپنی جہالت پر نازاں ہوگئے اور اپنی کم علمی پر توکل کر بیٹھے ہیں،ان کا خیال بالکل غلط اور باطل ہے اور آپؑ نے قرآن کے مضامین کی ترتیب کو مثالوں سے ثابت کیا اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

آپؑ نے اس خیال کو بھی اپنے تجربے اور مشاہدے اور دلائل سے رد کیا کہ اب اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں جبکہ وہ پہلے کی طرح اب بھی دیکھتا اور سنتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ اب بولنے سے رک گیا ہے۔شریعت اور چیز ہے اور خالی وحی اور چیز ہے وحی تو اس کی رضاء کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اس کے بند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی راہیں بند ہوگئیں اللہ کا کلام کبھی منقطع نہیں ہوسکتا۔جب تک انسان دنیا میں موجود ہے اور جب تک انسانوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کے لئے سچے دل سے کوشاں ہیں اور (دین حق) کی تعلیم پر عامل ہیں اس وقت تک کلام الٰہی نازل ہوتا رہے گا۔

غرض کتب سماویہ اور کلام الٰہی کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور جن کی وجہ سے یہ رکن ایمان بالکل منہدم ہو چکا تھا ان کو آپؑ نے دور کیا اور پھر اس رکن کو اصل بنیادوں پر قائم کیا اور اللہ کے کلام کی اصل عظمت اور حقیقت کو ثابت کرکے طبائع کو اس کی طرف مائل کیا اور اس کی روشنی کو ان پردوں کے نیچے سے نکالا،جو اس پر مسلمانوں نے اپنی نادانی کے سبب سے ڈال رکھے تھے اور غیر اقوام بھی قرآن کریم کے نور کو دیکھ کر حیران رہ گئیں،بلکہ اس کے نور کی چمک سے اپنی آنکھیں نہیں کھول سکتے ہیں۔

چوتھا رکن (دین حق) کا انبیاء پر ایمان لانا ہے۔اس رکن پر بھی حقیقت سے دور اور روحانیت سے عاری مسلمانوں نے عجیب عجیب رنگ آمیزیاں کردی تھیں اور اس کی شکل کو نہ صرف

بدل دیا تھا بلکہ اس کی شکل ایسی بدنما کر کے دکھائی تھی کہ اپنوں کے دل نبیوں کی محبت سے خالی ہو گئے تھے اور دوسروں کے دل ان سے نفرت کرنے لگے تھے اور سچ یہ ہے کہ جس قدر گالیاں اس وقت رسول کریم ﷺ کو دی جارہی ہیں ان کے ذمہ وار یہ مسلمان کہلانے والے لوگ ہیں نہ کوئی اور مسیحی اور دوسرے مخالفین اسلام اس قدر اپنی طرف سے جھوٹ بنا بنا کر آنحضرت ﷺ پر اعتراض نہیں کرتے جس قدر کہ ان روایات کی بناء پر اعتراض کرتے ہیں، جو خود مسلمانوں سے مروی ہیں اور جن کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا ہے اور جن کو بطور لطائف کے وہ اپنی مجالس میں بیان کرتے ہیں اور اپنے منبروں پر جن کا ذکر کرتے ہیں، آہ! ایک باغیرت مسلمان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ایک مسلمان ہی کی تیار کردہ تلوار سے سرور انبیاء محمد مصطفیٰؐ کے تقویٰ کی چادر کو ایک دشمنِ اسلام خاک بر سرش اپنے زعم باطل میں چاک کر رہا ہے۔ درحقیقت تو وہ خود اس منافق کے نفاق کو کھول رہا ہوتا ہے۔ مگر ظاہراً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے اخلاق کے عیوب کو ظاہر کر رہا ہے۔

نبی دنیا میں اس لئے آتے ہیں کہ نیکی اور تقویٰ کو قائم کریں اور ہدایت کو جاری کریں مگر مسلمانوں نے فیج اعوج کے زمانے میں نبیوں کی طرف وہ عیب منسوب کر دیئے ہیں جن کو سن کر اور پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر رسول کریم ﷺ تک ہر ایک نبی کے انہوں نے گناہ گنوائے ہیں، آدمؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انہوں نے صاف اور واضح احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا تھا، نوح علیہ السلام کو گنہگار ثابت کیا کہ انہوں نے باوجود منع کئے جانے کے اپنے بیٹے کے لئے دعا کی۔ حضرت ابراہیمؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انہوں نے نعوذ باللہ من ذلک تین جھوٹ بولے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انہوں نے گویا اپنے باپ کو بسترِ مرگ پر دھوکا دیا تھا اور اپنے بڑے بھائی کی جگہ بھیس بدل کر اپنے باپ سے دعا حاصل کر لی تھی۔ یوسف علیہ السلام کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انہوں نے عزیز کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور بالکل اس کام کے

لئے تیار ہو گئے تھے حتی کہ باوجود کئی رنگ میں سمجھانے کے نہیں سمجھتے تھے، آخر یعقوبؑ کی شکل سامنے آ گئی تو شرم سے اس کام سے باز رہے۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بچپن میں انہوں نے چوری کی تھی اور ایک دفعہ انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لئے فریب بھی کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو بلا وجہ قتل کیا اور ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور پھر فریب سے لوگوں کے مال لے کر بھاگ گئے۔داؤدؑ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی منکوحہ چھیننے کے لئے اس کو ناواجب طور پر قتل کروا دیا اور اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سرزنش ہوئی۔سلیمانؑ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ایک مشرکہ پر عاشق ہو گئے اور شیطان نے ان پر تصرف کر لیا، ان کی جگہ وہ خود حکومت کرنے لگا اور یہ کہ مال کی محبت ان کے دل پر غالب آ گئی اور وہ عبادتِ الٰہی سے محروم رہ گئے۔گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے نماز پڑھنا ہی بھول گئے اور سورج ڈوب گیا۔رسول کریم ﷺ جن کے احسانات کے نیچے ان لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور ذرہ ذرہ جن کے انعامات کے نیچے دبا ہوا تھا ان پر ان لوگوں نے سب سے زیادہ حملے کئے ہیں اور آپ کی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر اعتراض نہ کیا ہو۔بعضوں نے کہہ دیا کہ آپؐ حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے مگر لوگوں کے ڈر سے کچھ نہ کر سکے۔بعض نے کہا کہ آپؐ نعوذ باللہ من ذلک اپنی پھوپھی زاد بہن کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے اور آخر اللہ تعالیٰ نے زیدؓ سے طلاق دلوا کر ان کو آپؐ کے نکاح میں دیا۔بعض نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کی لونڈی سے چھپ چھپ کر صحبت کیا کرتے تھے۔ایک دن بیوی نے دیکھ لیا تو آپ بہت نادم ہوئے اور اس بیوی سے اقرار کیا کہ پھر آپؐ ایسا نہیں کریں گے اور اس سے عہد لیا کہ وہ اور کسی کو نہ بتائے۔بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ تعلیم (دین حق) میں نرمی ہو جائے اور ایسی تعلیم نازل ہو جسے مشرکین عرب بھی تسلیم کر لیں ان کے احساسات اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

یہ وہ خیالات ہیں جو اس وقت کے مسلمانوں میں انبیاء کی نسبت رائج ہیں اور بعض تو اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ان کی ذاتی چال چلن سے گزر کر انہوں نے ان کی دینی چال چلن پر بھی حملہ کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ انبیاء در حقیقت محبان وطن تھے جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ لوگ بلا اس عقیدے کو تسلیم کرنے کے کہ کوئی جزا سزا کا دن ہے اور جنت اور دوزخ حق ہیں تمدنی حدود کے اندر نہیں رہ سکتے تھے۔ نیک نیتی کے ساتھ مناسبِ وقت احکام لوگوں کو دے دئے۔ الہام کا دعویٰ درست نہ تھا مگر بوجہ نیت نیک ہونے کے اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم پیش کرنے کے وہ قابلِ عزت ہیں اور باوجود اس قسم کے عقیدوں کے وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔

حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں اور عقائد کا رد کیا اور ان میں صحیح راستہ ہمیں بتایا وہاں ان خیالات کے متعلق بھی صحیح اسلامی تعلیم سے مسلمانوں اور دیگر لوگوں کو آگاہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ انبیاء دنیا میں نیکی قائم کرنے کے لئے آتے ہیں اور اس لئے لوگوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اگر وہ نمونہ نہ ہوں تو پھر ان کی بعثت کی کیا ضرورت ہے، کیوں آسمان سے صرف کتاب ہی نازل نہ کی جائے۔ نبیوں کی بعثت کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کو لوگ عمل میں آیا ہوا دیکھ لیں اور ان کی عملی تصویر سے لفظی حقیقت کو معلوم کریں اور ان کے نمونہ سے جرأت حاصل کر کے نیکی کی راہ میں ترقی کریں۔ اور ان کی قوت قدسیہ سے طاقت حاصل کر کے اپنی کمزوریوں پر غالب آویں۔

آپؑ نے دنیا کو تعلیم دی کہ لوگ انبیاء کی نسبت جن غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں اس کا سبب ان کی نافہمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور بلا تحقیق اپنی بات کو پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کا زندہ نمونہ اور وفا کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں اور صفائی اور خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ کی سبوحیّت اور قدوسیّت اور اس کے بے عیب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

درحقیقت وہ ایک آئینہ ہوتے ہیں جس میں بدکار بعض دفعہ اپنی شکل دیکھ کر اپنی بدصورتی اور درشت روئی کو ان کی طرف منسوب کر دیتا ہے، نہ آدمؑ شریعت کا توڑنے والا تھا نہ نوحؑ گنہگار تھا نہ ابراہیم نے کبھی جھوٹ بولا، نہ یعقوب نے دھوکا دیا، نہ یوسفؑ نے بدی کا ارادہ کیا یا چوری کی یا فریب کیا۔ نہ موسیٰؑ نے ناحق کوئی خون کیا، نہ داؤد نے کسی کی بیوی ناحق چھینی، نہ سلیمانؑ نے کسی مشرکہ کی محبت میں اپنے فرائض کو بھلایا، یا گھوڑوں کی محبت میں نماز سے غفلت کی، نہ رسول کریم ﷺ نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا۔ آپؐ کی ذات تمام عیوب سے پاک تھی اور تمام گناہوں سے محفوظ و مصئون۔ جو آپؐ کی عیب شماری کرتا ہے وہ خود اپنے گند کو ظاہر کرتا ہے یہ سب افسانے جو آپؐ کی نسبت مشہور ہیں بعض منافقوں کی روایات ہیں جو تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتے۔ آپؐ کی باقی زندگی ان روایات کے بالکل برخلاف ہے اور جسقدر اس قسم کی باتیں آپؐ کی نسبت یا دوسرے انبیاء کی نسبت مشہور ہیں وہ یا تو منافقوں کے جھوٹے اتہامات کے بقیہ یادگاریں ہیں، یا کلام الٰہی کے غلط اور خلافِ مراد معنی کرنے سے پیدا ہوئی ہیں۔

آپؑ نے نہایت وضاحت سے قرآن کریم سے بدلائل قاطعہ ثابت کر دیا کہ درحقیقت اس قسم کے خیالات اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں اور اصل بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات مسلمانوں میں مسیحیوں سے آئے تھے کیونکہ مسیحیوں نے حضرت مسیحؑ کی خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ رویّہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ سب نبیوں کی عیب شماری کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ چونکہ گناہوں سے پاک صرف حضرت مسیحؑ ہیں۔ اس لئے ضرور وہ انسانیت سے بالا طاقتیں رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی سب نبیوں کے عیب تو گنائے جاتے ہیں اور رسول کریم ﷺ تک اتہامات لگائے جاتے ہیں، مگر حضرت مسیحؑ کو بالکل بے گناہ قرار دیا جاتا ہے اور آپ ہی کو نہیں بلکہ آپ کی والدہ کو بھی بالکل پاک قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہ اس امر کا کافی ثبوت نہیں کہ یہ جھوٹے افسانے اور قابل نفرت قصے مسلمانوں میں مسیحیوں سے ہی آئے ہیں جن کے بداثر کو یا تو بوجہ ایک جگہ رہنے

کے مسلمانوں نے قبول کر لیا، یا بعض شریرالطبع لوگوں نے بظاہر (دین حق) قبول کر کے اس قسم کے مخزیات اور باطل باتیں مسلمانوں میں پھیلانی شروع کر دیں جنہیں ابتداءً تو ہمارے مورخوں اور محدثوں نے اپنی مشہور دیانتداری سے کام لے کر صحیح روایات کے ساتھ جمع کر دیا تھا تا کہ مخالف اور موافق سب روایات لوگوں تک پہنچ جائیں مگر بعد کو آنے والے ناخلف لوگوں نے جو نورِ نبوت سے خالی ہو چکے تھے ان شیطانی وساوس کو تو قبول کر لیا جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف تھے اور ان صحیح روایتوں کو نظر انداز کر دیا جو انبیاء کی عصمت اور ان کی پاکیزگی پر دلالت کرتی تھیں اور ان وساوس کے لئے بمنزلہ تیز تلوار کے تھیں جس کی ضرب کو وہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مگر الحمدللہ کہ حضرت اقدسؑ نے اس گندگی کو ظاہر کر دیا اور انبیاء کے صحیح مرتبہ کو پھر قائم کر دیا اور ان کی عزتوں کی حفاظت کی، خصوصاً رسول کریم ﷺ کی شان اور آپؐ کی پاکیزگی کو تو نہ صرف الفاظ میں بیان کیا، بلکہ ایسے زبردست دلائل سے ثابت کیا کہ دشمن کا منہ بھی بند ہو گیا۔ بقول حضرت اقدسؑ ؎

ہر رسولے آفتاب صدق بود	ہر رسولے بود مہر انورے
ہر رسولے بود ظلّے دین پناہ	ہر رسولے بود باغے مثمرے
گر بدنیا نامدے ایں خیلِ پاک	کارِ دین ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکرِ بعثِ شاں نا رد بجا	ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہراند	متحد در ذات واصل و گوہرے
اوّل آدمؑ آخر شان احمدؐ است	اے خنک آنکس کہ بیند آخرے
انبیاء روشن گہر ہستند لیک	ہست احمدؐ زان ہمہ روشن ترے

آں ہمہ کانِ معارف بودہ اند | ہر یکے از راہ مولےٰ مخبرے
ہر کہ را علمے ز توحید حق است | ہست اصل علمش از پیغمبرے
آں رسیدش از رہ تعلیم ہا | گو شود اکنوں زنخوت منکرے
ہست قومے کج رو وناپاک رائے | آنکہ زیں پاکاں ہمی پیچد سرے
دیدۂ شان روئے حق ہرگز ندید | بس سیہ کردند روئے دفترے
شور بختی ہائے بخت شان بہ بیں | ناز بر چشم و گریزاں از خورے
چشم گر پودے غنی از آفتاب | کس نہ بودے تیز بین چون شپرے
چوں بروز ابتدا تقسیم کرد | درمیانِ خلق از خیر و شرے
راستی در حصہ او شان فتاد | دیگراں را کذب شد آبش خورے
قول شاں اینیست کاندر غیر شاں | آمدہ صد کاذب و حیلت گرے
لعلِ تاباں را اگر گوئی کثیف | زیں چہ کاہد قدرِ روشن جوہرے
طعنہ بر پاکاں نہ بر پاکاں بود | خود کنی ثابت کہ ہستی فاجرے [1]

پانچواں رکن ایمان کا بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ پر ایمان لانا ہے، اس رکن کے انہدام کے لئے بھی اس زمانے کے مسلمانوں نے پورا زور لگایا تھا، دل تو یقیناً بعث بعد الموت کے منکر ہو چکے تھے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کی تعلیم کو اس طرح پس پشت کیوں ڈال دیا جاتا؟ ظاہری طور پر بھی لوگوں میں اس کے متعلق عجیب عجیب خیالات پھیل رہے تھے، جنت کا جو نقشہ مسلمانوں کے ذہنوں میں سما گیا تھا، وہ بتا رہا تھا کہ جنت کا اصل مفہوم لوگوں کے ذہنوں سے نکل چکا ہے جنت اب کیا چیز رہ گئی تھی، ایک عیش و عشرت کا مقام، گویا اس دنیا میں انسان کی پیدائش صرف اس غرض کے لئے تھی کہ وہ ایک ایسی جگہ پر جا بسے۔ جہاں ہر طرح کھانے پینے کی اشیاء ہوں اور

---

[1]:۔ براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد اوّل ص ۲۰ تا ۲۳

عورتیں ہوں اوران کی صحبت ہو۔ جب یہ حاصل ہو گیا تو سب کچھ حاصل ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انسان کی پیدائش کی اصل غرض یہ ہے کہ لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۷) اس لئے کہ وہ میری عبادت کرے ۔یعنی ایسی صورت اختیار کرے کہ میری صفات کو اپنے اندر نقش کر لے کیونکہ عبودیت کے معنے تذلل اور دوسری شے کے نقش کو قبول کر لینے کے ہوتے ہیں۔ پس یہ خیال کرنا کہ انسان پچاس ساٹھ سال تک تو اس کام کو کرئے گا۔ جس کے لئے پیدا کیا گیا تھا اور بعد میں ایک نہ ختم ہونے والے وقت کو کھانے پینے اور عیش وعشرت میں بسر کرئے گا جو حد درجہ کی نادانی تھی۔ اسی طرح دوزخ کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کفار کو ایک نہ ختم ہونے والے عذاب کے لئے ڈال دے گا اور ایک سخت حاکم کی طرح پھر کبھی ان پر رحم نہیں کرے گا۔

حضرت اقدسؑ نے ان خیالات کو بھی رد کیا اور دلائل اور معجزات سے بعث بعد الموت پر ایمان کو لوگوں کے دلوں میں قائم کیا اور دنیا کی بے ثباتی اور اخروی زندگی کی خوبی اور برتری کو روز روشن کی طرح ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں اس کے مطابق عمل کرنے کی خواہش کو پیدا کیا اسی طرح جنت کے متعلق جو لغو خیالات لوگوں کے تھے ان کو بھی دور کیا۔ یہ وہم بھی دور کیا کہ جنت صرف ایک استعارہ ہے اور ثابت کیا کہ جنت کا وجود ایک حقیقت ہے اور اس خیال کی غلطی بھی ثابت کی کہ گویا وہ اس دنیا کی طرح ہے، لیکن اس سے زیادہ وسیع پیمانے کی آرام وآسائش والی جگہ ہے اور بتایا کہ درحقیقت اس جگہ کی نعمتیں اس دنیا سے بالکل مختلف ہیں اور درحقیقت اس جگہ کی مادی نعمتیں اس دنیا کی عبادات کے متمثلات ہیں۔ گویا یہاں کی روح وہاں کا جسم ہے اور وہاں کی روح ایک اور ترقی یافتہ چیز ہے جس کی طاقتیں اس روح سے بہت بالا ہوں گی۔ جس طرح کہ نطفہ کی روحانی طاقتوں سے اس سے پیدا ہونے والے انسان کی

روحانی طاقتیں اعلیٰ ہوتی ہیں۔

اسی طرح آپؑ نے یہ ثابت کیا کہ دوزخ کا عذاب جسے لوگ نہ ختم ہونے والا کہتے ہیں درحقیقت ایک وقت پر جا کر ختم ہو جائے گا۔ وہ ابدی ہے یعنی ایک نہایت لمبے عرصہ تک جانے والا ہے مگر وہ غیر محدود نہیں ہے آخر کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات کی نسبت فرماتا ہے۔ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ [1] اس کی شان سے بعید ہے کہ عاجز بندے کو نہ ختم ہونے والا عذاب دے اور جبکہ قرآن کریم جنت کے انعامات کو غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:۱۰۹) اور غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (فصلت:۹ وانشقاق:۲۶ وتین:۷) قرار دیتا ہے اور دوزخ کے عذاب کی نسبت یہ الفاظ نہیں استعمال فرماتا تو ضرور ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہو پھر بندہ کیوں خدا کی لگائی ہوئی شرائط کو چھوڑ دے؟ خصوصاً جبکہ خود رسول کریم ﷺ قرآن کریم کے مطالب کی تفسیر ان الفاظ میں فرما دیں کہ یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ یَوْمٌ مَا فِیْھَا مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ اَحَدٌ تَخْفَقُ اَبْوَابُھَا۔ [2] یعنی ایک وقت جہنم پر ایسا آئے گا کہ اس کے اندر ایک آدمی بھی نہ رہے گا اور اس کے دروازے کھٹکھٹائے جائیں گے۔ کسی کا کیا حق ہے کہ خدا کی رحمت اور اس کی بخشش کی حد بندی کرے؟

ان ارکان ایمان کے علاوہ عملی حصے میں بھی بہت بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں بعض لوگوں نے اباحت پر زور دے رکھا تھا، ان کا یہ عقیدہ ہو رہا تھا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ آدمی کہہ دے اور پھر جو چاہے کرے، ان لوگوں کا یہ یقین تھا کہ اگر ہم لوگ گناہ نہ کریں گے تو رسول کریم ﷺ شفاعت کس کی کریں گے۔

---

[1] :۔ الاعراف:۱۵۷

[2] :۔ کنز العمال جلد ۱۴ ص ۵۲۷ روایت ۳۹۵۰۶ مطبوعہ حلب ۱۹۷۵ء

بعض لوگوں کا یہ خیال ہو رہا تھا کہ شریعت اصل مقصود نہیں وہ تو خدا تک پہنچانے کے لئے بمنزلہ کشتی کے ہے پس جب انسان خدا کو پالے تو پھر اسے کسی کشتی میں بیٹھا رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ احکام شریعت درحقیقت باطنی امور کے لئے ظاہری نشانات ہیں۔جس وقت رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت لوگوں کی حالت بلحاظ تمدن کے بالکل ابتدائی تھی اور لوگ وحشی تھے۔ظاہر پر خاص زور دیا جاتا تھا۔اب علمی زمانہ ہے۔اب لوگ خوب سمجھدار ہو گئے ہیں۔اب ان ظاہری رسوم کی پابندی چنداں ضروری نہیں،اگر کوئی شخص صفائی رکھتا ہے،خدا کو دل میں یاد کرتا ہے قوم کا درد غم دل میں رکھتا ہے،غرباء کی مدد کیا کرتا ہے۔کھانے پینے میں احتیاط کرتا ہے۔قومی کاموں میں شریک ہوتا ہے تو یہی اس کی نماز اور یہی اس کا روزہ اور یہی اس کی زکوٰۃ اور یہی اس کا حج ہے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر رسول کریم ﷺ سے ایک خاص قسم کا پاجامہ پہننا ثابت ہے تو اسی قسم کا پاجامہ پہننا چاہیئے۔اور اگر آپؐ نے بال لمبے رکھے ہوئے تھے تو ہمیں بھی بال لمبے رکھنے چاہئیں۔علیٰ ھذا القیاس۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا کوئی حق نہ تھا کہ لوگوں کو کچھ حکم دیتے وہ ہماری طرح کے انسان ہیں جو کچھ قرآن کریم میں آ گیا وہ حجت ہے۔باقی سب باطل ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگوں نے جو کچھ کہہ دیا کہہ دیا،ان کے خیال کے خلاف اور کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں ہمارا فرض ہے کہ اندھا دھند ان کی تقلید کریں۔

یہ تو اصولی باتیں ہیں۔اب رہیں جزئیات،ان میں اور بھی اندھیر ہے۔بعض لوگ غیر

زبانوں کا پڑھنا بھی کفر قرار دیتے ہیں۔بعض لوگ علوم جدیدہ کا سیکھنا ایمان کے منافی خیال کرتے ہیں ان کے مقابلے میں ایک حصہ مسلمانوں کا سود جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ (سورہ البقرہ:۲۸۰) اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ، ورثہ ہرایک امر کے متعلق اس قدر اختلاف ہے کہ حقیقت بالکل پوشیدہ ہوگئی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی بات کو اصل اسلام قرار دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف کرنے والے کے ساتھ جھگڑا کیا جاتا ہے۔مسلمان کہلانے والوں نے اپنے بھائیوں کی انگلیاں اس لئے توڑ دی ہیں کہ وہ تشہد کی انگلی کیوں کھڑی کرتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے مونہوں میں نجاستیں ڈالی ہیں کہ اس منہ سے آمین بالجہر کیوں نکلی تھی ،غرض عملی حصہ بھی اسی تغیر و تبدل اور اسی فساد کا شکار ہو رہا ہے جس کا کہ اعتقادی حصہ تھا۔حضرت اقدسؑ نے اس حصہ کی بھی اصلاح کی اور ایک طرف تو اباحت کے طریق کو باطل ثابت کیا اور بتایا کی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں مگر پھر بعض وجوہ سے ان میں گر جاتے ہیں اور بعض کوتاہیاں ان کی باقی رہ جاتی ہیں نہ ان کے لئے جو شفاعت کی خاطر گناہ کرتے ہیں۔ شفاعت گناہ کے مٹانے کے لئے تھی نہ کہ گناہ کی اشاعت کے لئے۔

اسی طرح یہ بتایا کہ گو شریعت اصل مقصود نہیں مگر عبودیت اصل مقصود ہے۔پس جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جس وقت تک دیا ہے اسے بجالانا چاہئیے ۔اللہ تعالیٰ کا قرب کوئی محدود شئے نہیں کہ کہا جائے کہ اب قرب حاصل ہو گیا ہے۔اب عبادت کی ضرورت نہیں ۔رسول کریم ﷺ جیسا انسان جب وفات تک اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتا رہا اور آپ کو رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ:۱۱۵) کہنے کا حکم ملا تو اور کون شخص ہے جو کہے کہ میں منزل مقصود تک پہنچ گیا ہوں۔اب مجھے عبادت کی ضرورت نہیں ۔درحقیقت اس قسم کے خیال کے لوگ اللہ

تعالیٰ کوایک دریا کے کنارے کی طرح محدود شئے قرار دیتے اور اپنی بے دینی کو دین کے پردہ کے نیچے چھپاتے ہیں۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ احکام اسلام انسان کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہیں اور ہر زمانے اور ہر علمی حیثیت کے لوگوں کے لئے یکساں مفید ہیں اور ان کے بغیر کوئی روحانی ترقی نہیں ہوسکتی۔ پس یہ غلط ہے کہ اب ان احکام پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ یا یہ کہ ان کا قائم مقام اور کاموں کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ ایک عبادات اور سنتیں ہیں اور ایک رواج ملکی اور دستور قومی۔ عبادت اور سنت کے علاوہ ایسی باتوں میں جن کو رسول کریم ﷺ اپنے ملکی رواج اور قومی دستور کے مطابق کرتے تھے لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ بھی آپ ہی کی طرز کو اختیار کریں ظلم ہے۔ خود صحابہؓ ان امور میں مختلف طریقوں کو اختیار کرتے تھے اور کوئی ایک دوسرے کو برا نہ کہتا تھا۔

آپؑ نے ان لوگوں کے خیالات کو بھی رد کیا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمارے جیسے انسان ہیں اور آپؐ کا کوئی حق نہیں کہ ہم آپؐ کی اطاعت کریں۔

آپؑ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک خاص فہم پاتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا اس لئے ان کی تشریح کا قبول کرنا مومن کا فرض ہوتا ہے ورنہ ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

آپؑ نے اس خیال کی بھی غلطی ظاہر کی کہ جو کچھ کسی بزرگ نے کہد یا اس کا تسلیم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے ایسے لوگوں کے لئے جو اجتہاد کا مادہ نہیں رکھتے سہولت عمل کے لئے بے شک ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی بزرگ کو جس کی صداقت اور تقویٰ اور علمیت ان پر ظاہر ہوگئی ہے اپنا رہبر بنالیں لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ علم اور فہم رکھتا ہوا ایسا ہی کرنا چاہئیے

اور اگر وہ دوسرے کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتا تو گناہگار ہے بلکہ علم رکھنے والے شخص کو چاہئیے کہ جس بات کو وہ قرآن وحدیث کی نصوص سے معلوم کرے اس میں اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔

آپؑ نے اس خیال کی لغویت کو بھی ظاہر کیا کہ محض دنیاوی باتوں کو دینی بنالیا جائے آپؑ نے بتایا کہ زبانیں سب خدا کی ہیں جو زبان مفید ہو اس کو سیکھنا چاہئیے اور جس قدر علوم انسان کی جسمانی، اخلاقی، علمی، تمدنی، سیاسی، روحانی حالت کے لئے مفید ہیں ان کو پڑھنا نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں ہے بلکہ ضروری ہے اور بعض حالتوں میں جبکہ ان کو خدمت دین کے لئے سیکھا جائے موجبِ ثواب ہے۔

آپؑ نے سود کی لعنت سے بچنے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت کی اور بتایا کہ یہ حکم عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس کو معمولی دنیاوی فوائد کی خاطر بدلنا نہیں چاہئیے۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ دین کے مسائل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اصول اور ایک فروع اصول قرآن کریم سے ثابت ہیں اور ان میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوسکتا، اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو ان کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور جو فروعی مسائل ہیں۔ ان کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ رسول کریم ﷺ نے ایک خاص طریق پر ایک کام کرنے کا حکم دے دیا ہے اور اس کے سوا اور کسی طریق پر اس کے کرنے سے روک دیا ہے۔ اس صورت میں تو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہئیے جس کے اختیار کرنے کا رسول کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ رسول کریم ﷺ سے دو یا دو سے زیادہ باتیں مروی ہیں اور مسلمانوں کے بعض حصے بعض روایتوں پر اور بعض حصے بعض روایتوں پر ہمیشہ عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے بارہ میں یہ یقین رکھنا چاہئیے کہ وہ سب طریق درست اور مطابق سنت ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کس طرح ممکن تھا کہ آپ ؐ کے

صحابہؓ میں سے ایک حصہ ایک طریق کو اختیار کر لیتا اور دوسرا دوسرے طریق کو۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض امور میں اختلاف طبائع کو مدنظر رکھ کر رسول کریم ﷺ نے کئی طرح ان کے کرنے کی اجازت دے دی ہے یا خود کئی طریق پر بعض کاموں کو کر کے دکھا دیا ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں شک نہ رہے جیسے رفع یدین ہے کہ کبھی آپؐ نے رفع یدین کیا، کبھی نہیں کیا، یا آمین بالجہر ہے کہ کسی نے آپ کے پیچھے آمین بالجہر کہا کسی نے نہ کہا اور آپؐ نے دونوں طریق کو پسند کیا، اسی طرح ہاتھوں کا باندھنا ہے کبھی کسی طرح باندھنا، کبھی کسی طرح باندھنا، اب جس شخص کی طبیعت کو جس طریق سے مناسبت ہو اس پر کاربند ہو اور دوسرے لوگ جو دوسری روایت پر عمل کرتے ہیں ان پر حرف گیری نہ کرے۔ کیونکہ وہ دوسری سنت یا رخصت پر عمل کر رہے ہیں۔ غرض ان اصول کو مقرر کر کے آپؑ نے تمام وہ اختلافات اور فتنے دور کر دیئے جو مسائل فقہیہ کے متعلق مسلمانوں میں پیدا ہو رہے تھے اور پھر صحابہؓ کرام کے زمانے کی یاد کو تازہ کر دیا۔

یہ ایک مختصر نقشہ ہے اس اندرونی اصلاح کا جو آپ نے کی، اگر اس کی تفصیل کی جائے تو مستقل کتاب اسی مضمون پر لکھنے کی ضرورت پیش آئے اس لئے میں اسی پر کفایت کرتا ہوں۔ اب جناب اس سے معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے (دین حق) کے اندر جس قدر نقائص پیدا کر دیئے گئے تھے۔ خواہ عقائد میں خواہ اعمال میں۔ سب کو دور کر دیا اور (دین حق) کو پھر اس کی اصل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اب وہ سب دوست و دشمن کے دلوں کو لبھانے لگ گیا ہے اور اس کی قوتِ قدسیہ پھر اپنا اثر دکھانے لگ گئی ہے۔

اے بادشاہ! جس قدر نقائص اوپر بطور مثال بیان ہوئے ہیں جو ان بہت سے نقائص میں سے چند ہیں جو اس وقت مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ آپ ان کو دیکھ کر ہی معلوم کر سکتے

ہیں کہ ایک محفوظ کتاب کی موجودگی میں جیسا کہ قرآن کریم ہے اس سے زیادہ مفاسد (دین حق) میں نہیں پیدا ہو سکتے۔ اگر اس سے زیادہ مفاسد پیدا ہوں گے تو اسی صورت میں کہ قرآن کریم ہی **نعوذ باللہ من ذلک** بدل جائے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ پس اور مفاسد بھی پیدا ہونے ناممکن ہیں۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ جب (دین حق) کے اندر مفاسد اپنی انتہاء کو پہنچ گئے ہیں تو اور کونسا وقت ہے جبکہ مسیح موعود آئیں گے اور جبکہ ان تمام مفاسد کی اصلاح حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی ہے اور (دین حق) کو ہر ایک شر سے محفوظ کر دیا ہے تو پھر کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ کام مسیح موعود کے لئے اور صرف حضرت مسیح موعود کے لئے مقدر تھا آپ نے باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے تو آپ کے مسیح موعود ہونے میں کیا شک ہے۔ جب سورج نصف النہار پر آجائے تو پھر اس کا انکار نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایسے واضح دلائل کی موجودگی میں حضرت مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(دعوت الامیر اردو ص ۱۴۲ تا ۱۷۴)

Tajdīde- Dīn

(Rejuvenation of True Religion)

Language:- Urdū

Excerpts from Da'watul-Amir a book by Haḍrat Mirza Bashir-ud-din Mahmūd Ahmad Khalifatul-Masih ii.Originally addressed to the Amir of kabul in the form of a letter .

These excerpts prove conclusively that Promised Messiah and Mahdi has rejuvenated True Religion which is a great prove of his truth.